

# محسن انسانیت

اور آجیالا پھلتا ہی چلا گیا!

(از جناب نعیم صدیقی صاحب)

(ربلسد گذشتہ)

۴۴، معاہدہ حدیبیہ | حضورؐ کی اسلامی تحریک کی تاریخ میں معاہدہ حدیبیہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کے نتیجے میں حالات کے دھارے نے ایک اہم ترین موڑ پڑا اور تحریک ایک ہی جست لگا کر اپنی توسیع کے عوامی دور میں داخل ہو گئی۔ محسن انسانیت کی سیاسی بصیرت کی انتہائی مہراج کمال اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ درجہ اول کی معاند اور رہبر مہر جنگ طاقت کو حضورؐ نے کس آسانی سے مصالحت پر تیار کر لیا اور اس کے ہاتھ کئی برس کے لیے باندھ دیئے۔

## (یقینہ تفہیم القرآن)

اس گفتگو کا حاصل تو صرف یہ تھا کہ لڑکی کے باپ نے کہا میں اپنی لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دینے کے لیے تیار ہوں، بشرطیکہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آٹھ دس سال میرے ہاں رہ کر میرے گھر کے کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاؤ گے۔ کیونکہ اس رشتے سے میری اصل غرض یہی ہے کہ میں بڑھا آدمی ہوں، کوئی بیٹا میرے ہاں نہیں ہے جو میری جائداد کا انتظام سنبھالے، لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں جنہیں مجھ سے بٹاؤ بٹاؤ نکالتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ داما و میرا دست و بازو بین کرے، یہ ذمہ داری اگر تم سنبھالنے کے لیے تیار ہو اور شادی کے بعد ہی بیوی کو لیکر چلے جانے کا ارادہ نہ رکھتے ہو، تو میں اپنی ایک لڑکی کا نکاح تم سے کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ اس وقت خود ایک ٹھکانے کے طالب تھے۔ انہوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک معاہدے کی صورت تھی جو نکاح سے پہلے فریقین میں طے ہوئی تھی۔ اس کے بعد اصل عقد نکاح قاعدے کے مطابق ہوتا ہو گا اور اس میں مہر بھی باندھا گیا ہو گا۔ اس عقد میں خدمت کی شرط شامل ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

غذاری و بغاوت کے جرم میں جلاوطن شدہ یہود نے جب خیبر، تیمار اور وادی القریٰ میں جاؤا جمایا تو مدینہ بیک دم دو محاذوں کے درمیان گھر گیا۔ قریش اور یہود کے اتحاد نے لشکر کے لشکر جمع کر کے مدینہ کے سامنے لاٹھڑے کیے تھے۔ جنگ احزاب سے ہجرت مجددہ برآ ہوتے ہوئے حضور کے سامنے یہ پیچیدہ مسئلہ آگیا کہ کیسے اس دوہرے محاذ کو توڑا جائے۔ موجودہ حالت میں مکہ کی طرف اقدام کریں تو خیبر کے یہودی اور بنو عطفان مدینہ پر چڑھائی کر سکتے تھے اور اگر خیبر کی طرف متوجہ ہوں تو قریش دھاوا بول سکتے تھے۔ یہ بھی نبی اکرمؐ کی نگاہِ دور رس کا کتنا صحیح اندازہ تھا کہ ان دونوں میں سے خیبر کا محاذ ایسا محاذ تھا جسے ایک ہلہ میں توڑا جاسکتا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ دونوں میں سے قریش مکہ ہی کو باسانی صلح پر آمادہ کیا جاسکتا تھا۔ درحقیقت قریش کی قوت اندر سے کھو چکی ہو چکی تھی اور اگرچہ وہ ظاہرًا برابر شور و آواز مچا رہے تھے، لیکن اب تابِ مقاومت کچھ زیادہ تھی نہیں۔ پھر مکہ اور اس کے آس پاس حضور کے حامی عمار موجود تھے جن کو آپ کے بعض اقدامات نے مضبوط کر دیا حضور نے قحط کے دلوں میں مکہ کو غلہ اور نقدی سے مدد دے کر وہاں کے غربا اور عوام کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے کہا بھی تھا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لوگوں کو ان طرفوں سے درغلانا چاہتے ہیں۔ پھر حضور نے ایک اقدام یہ بھی فرمایا کہ مکہ کے سردار اعلیٰ ابوسفیان کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ازواجِ رنستہ جوڑا۔ یہ شادی بڑا اہم سیاسی نتیجہ نکلتی تھی۔ بہر حال اب کسی طریقے سے ایک نئے اقدام کی ضرورت تھی جس پر حضور برابر کاوش کرتے رہے۔

ادھر ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو مکہ سے پھڑے ہوئے چھ برس ہونے کو آئے تھے۔ معاملہ محض حبِ وطن ہی کا نہ تھا بلکہ کعبہ و دعوتِ ابراہیمی کا مرکز تھا اور اسی دعوتِ ابراہیمی کی تجدید اب مسلم جماعت نے کی تھی۔ اس جماعت کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو اپنے اعتقادی مرکز سے منقطع رکھ سکے۔ قریش اب تک راستہ نہیں دے رہے تھے اور بظاہر کشمکش کا آخری فیصلہ ہونے کے لیے بیست و دو کار تھی۔ اس پہلو سے جذبات آہستہ آہستہ مضطرب ہو رہے تھے۔ ضرورت تھی کہ جماعتِ اسلامی کی طرف سے جرم پر اپنے حق کا اظہار ہو۔



رکھتے ہیں اور اس وقت ٹریس۔ ایسا نہ ہو تو پھر خدا کی قسم میں اس حق کو لے کر جس کے ساتھ مجھے خدا نے اٹھایا ہے آخر دم تک ٹروں گا۔ یہاں تک کہ یا تو خدا اس حق کو غالب کر دے یا میری یہ گردن کٹ جائے۔ گو یا آپ نے مصالحت کی راہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا، اسی مدیم بھی دے دیا اور قریش کی تپنی حالت پر بھی توجہ دلا دی۔

لیکن دوسری طرف زائرین کے قافلے کو روکنے میں بھی قریش کی پوزیشن سخت خراب ہوتی تھی۔ راتے عام میں دو بیہ چلتی کہ ان لوگوں نے ایک مذہبی حق میں رکاوٹ ڈالی۔ لڑنے میں پہل کرتے ہیں تو یہ الزام سر آتا ہے کہ حرام جہینوں کی حرمت توڑی۔ حضور کی طرف سے پہلے ہی سے حرم کی حرمت کا احترام کرنے اور فقط عمرہ کے لیے غیر جنگی سفر کرنے کا خوب اچھی طرح چرچا ہو چکا تھا۔ پھر جنگی اسلحوں ساتھ نہ تھے اور قربانی کے نشان زد جانوروں کا گلہ نوعیت سفر کی شہادت دے رہا تھا۔ گو یا قریش سخت پیچیدگی میں گھر گئے تھے اور اس نازک وقت میں ان کا قائد اعلیٰ ابوسفیان سفر میں تھا۔ یہ حضور ہی کی نگاہ جانتی تھی کہ ساری اکثر فوں کے باوجود اس وقت قریش کے لیے مصالحت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اور یہی اندازوں کی صحت ہی حالات کا رخ بدلتی ہے اور اسی سے کسی کارپرداز کی بصیرت کا معیار سامنے آتا ہے۔

قریش نے پرانی ضد خدا کے نشے میں جلد جلد حلیف قبائل خصوصاً احابش کی فوجیں بلدح کے مقام پر جمع کر لیں۔

فورا ہی سفارتی سرگرمیوں کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقارہ جو اسلام کے لیے حامیانہ جذبات رکھتے تھے، چند اہم ساتھیوں سمیت حضور سے آکر ملے۔ حضور نے بتایا کہ ہم صرف زیارت حرم کے لیے آئے ہیں اور اس کی تعظیم ہمارے مد نظر ہے، جنگ مقصود نہیں۔ قریش جنگ کے بڑے شائق ہیں حالانکہ اس میں سر اسراں کا گھاٹا ہے۔ کیوں نہ ایسا ہو کہ قریش چند سال کے لیے مصالحت کر لیں۔ اس طرح آپ نے اصل مدعا کا بیج شروع ہی میں ڈال دیا۔ انہوں نے قریش سے جا کر بات چیت کی کہ دیکھو، جلد بازی نہ کرو۔ محمد جنگ کے لیے نہیں، زیارت کے لیے آئے ہیں، مگر سر چہرے نوجوان تو پروں پر پانی نہیں پڑنے دیتے تھے۔ البتہ متھر لوگوں نے ساری بات سنی۔ پھر مکہ سے حلیس بن علقمہ سردار احابش کو بھیجا گیا۔ اس نے جب قربانی کے جانوروں کا گلہ وادی میں متحرک دیکھا تو متاثر نہ ہوا۔ اس نے قریش کے سامنے جا کر صاف صاف کہا

کہ ان زائرینِ حرم کو روکنا صحیح نہیں اور ہم اس غرض کے لیے نہیں آئے! اس سردار کی استمات یہ کہہ کر کی گئی کہ فلا ہمیں اپنی شرطیں تو منوا لینے دو۔ پھر قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو نمائندہ بنا کر بھیجا۔ عروہ نے کہا کہ ”اے محمد! اگر آپ نے اپنی ہی قوم کو تیاہ کر دیا تو یہ کو نسا اچھا کارنامہ ہوگا۔ یہ جو اباباش سے لوگ آپ نے اکٹھے کر لیے ہیں یہ چند روز میں چھٹ چھٹا جائیں تو آپ تمہارے جائیں گے۔“ یہ بات سن کر حضرت صدیقؓ غضبناک ہو گئے اور ذرا سخت لفظوں میں عروہ کو ڈانٹا۔ عروہ عربوں کے بے تکلفانہ طریق پر بات کرتے ہوئے اپنا ہاتھ حضورؐ کی ڈاڑھی کی طرف بڑھاتا تو ہر بار حضرت مغیرہ بن شعبہ تلوار کی نوک سے اس کا ہاتھ ہٹا دیتے۔ حضورؐ نے عروہ کے سامنے بھی اپنا موقف رکھ دیا۔ اس شخص نے جو سماں دیکھا اس سے دل میں بے حد متاثر ہو کر واپس ہوا اور جل کے بیان کیا کہ محبت و اطاعت کا جو منظر وہاں میری نگاہوں سے گذرا ہے وہ تو بڑے سے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ محمدؐ کے ساتھی تو اس پر دل جان چھڑکتے ہیں۔ اور ایک ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے سامنے کوئی شخص اونچی آواز میں بولنے تک کی جرأت نہیں کرتا۔ عروہ کے اس تاثر سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اسلامی تحریک کی قوت کا ایک راز یہ ہے کہ جماعت اپنی قیادت سے کس درجہ گہری محبت رکھتی ہے اور کس واہبانہ طریق سے اطاعت کرتی ہے۔ محبت و طاعت کے جمع ہو جانے سے ناقابلِ فتح قوت پیدا ہوتی ہے اور جماعت میں ایسی فضا موجود ہوتی ہے تو مخالفین کو مرعوب اور کمزور کر دیتی ہے۔ یہاں محض کسی جمہوری ایسوسی ایشن کا سامنا نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے ہیں، نہ صدر کو ارکان سے کوئی قلبی تعلق، نہ ارکان کو صدر سے کوئی روحانی علاقہ۔ بس دستور اور قواعد سے کی ظاہری اطاعت کر دی گئی۔ کیا گندی فضا ہوتی ہے ان جماعتوں کی جو اپنی قیادت پر ذہنی تنقیدیں کرتی ہیں، غیبت اور نجوی کے محاذ کھولے رہتی ہیں اور طرح طرح کی سازشیں کاٹھکتی رہتی ہیں۔ اسلامی نظامِ جماعت کی فضا خیر خواہی، وفاداری، اخلاص، محبت اور واہبانہ طاعت سے بنتی ہے۔ اس میں ہر رکن کی شخصیت کی اہمیت ہوتی ہے اور قائد کی شخصیت تو سب کے لیے مرکزِ محبت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہ حجازِ بینیم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ علمبردارانِ حق میانِ موصول بن سکتے ہیں۔ مسلم جماعت کی یہی فضا اپنی شانِ کمال کے ساتھ جدید بیہیہ کے میدان میں جنم لے کر نکلتی جس نے عروہ کے دل کو مرعوب

کر دیا اور اس نے جا کر اسی تاثر کا پرتو مکہ کے خواص پر ڈالا۔

گفت و شنید کے اسی سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لیے حضور نے خراش بن امیہ کو قریش کی طرف بھیجا تاکہ  
میں لامرکزیت اور انتشار تو تھا ہی، کچھ لوگوں نے حضور کے اس اونٹ کو مار ڈالا جس پر سوار ہو کر خراش شہر میں گئے  
تھے، خود ان کی جان بھی مشکل سے بچی اور وہ لوٹ آئے۔ پھر حضرت عثمان کو بھیجا گیا۔ ادھر سر پھرے عناصر کا  
ایک دستہ دیکھ بھال کے لیے نکلا تھا، ان لوگوں نے مسلمانوں سے چھیڑ خانی کی اور تیراوت پتھر پھینکے۔ ان لوگوں  
کو گرفتار کر لیا گیا مگر حضور نے مصلحت کے پیش نظر ان کو رہا کر دیا۔ یعنی قریش کا جنگ پسند عنصر برابر اس  
کوشش میں تھا کہ کسی طرح سے جنگی جذبات کی بارود بھڑک اٹھے۔ مگر خدا نے بہ لطف خاص کف ابدیہم  
عنکم و کف ابدیکم عنہم کی فضا کو غالب کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش نے روک لیا اور واپسی میں دیر ہو  
گئی۔ تاخیر شگوار واقعات کی وجہ سے فضا ایسی تھی کہ جس میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔  
حضور نے فوراً جماعت کو اکٹھا کیا اور ٹرنے مرنے کی بیعت لی۔ فرمایا کہ ہم ان لوگوں سے ٹرے بغیر نہ بیٹیں گے۔  
حضرت عثمانؓ کی جان اس لمحے بے قیمتی ہو گئی تھی کیونکہ بارشاد حضورؐ امر واقعہ یہ تھا کہ "عثمان اللہ اور اس کے  
رسولؐ کی تفریض کر وہ خدمت پر گئے ہیں" اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور اس پر دوسرا  
ہاتھ اپنی طرف سے رکھ کر کہا کہ اقرار باندھو! آپ کے رزقا پہلے ہی جذبات سے بھر پور تھے، اخلاص سے  
لیک لپک کر بیعت کرنے لگے۔ یہ اتفاقی لمحہ از دیار ایمان اور تعمیر کردار کا لمحہ تھا اور اس وقت جماعت نے  
اپنے آپ کو اتنا ارتقا دے لیا کہ حضورؐ نے فرمایا: آج کے دن تم لوگ تمام زمین والوں سے افضل ہو۔  
اس لمحے کے طفیل ان کو رضائے ماہی حاصل ہوئی۔ صرف ایک منافع (جذبہ نہیں) تھا جو اس لمحے کی سعادتوں  
سے محروم رہا۔ حق کے علمبرداروں کی راہ میں ایسے بے شمار لمحات آتے ہیں اور اخلاص شعار روحیں ان  
لمحات سے آبیاری حاصل کرتی ہیں۔ خون کا ایک قطرہ پہلے بغیر چودہ سو مسلمانوں کو ٹرنے کی جزا مل گئی  
قریش کو جب اس صورتِ حالات کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً حضرت عثمانؓ کو واپس روانہ کر دیا، کیونکہ  
فی الحقیقت ٹرنے سے وہ بھی کترانا چاہتے تھے۔

پھر مکہ سے بکر بن نبیہؓ آئے۔ رسول اللہ کی مردم شناسی ملاحظہ ہو کہ دوسری سے نظر ٹہری تو

پکارا اٹھے " یہ ایک مکار آدمی ہے " مراد یہ تھی کہ اس کے ذریعے معاملات کبھی بخیر و خوبی طے نہیں ہو سکتے  
 بالآخر قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ نظام حق کے داعی کی نگاہ حقیقت رس نے دیکھتے ہی اندازہ کر لیا  
 کہ قریش نے اس آدمی کو بھیجا ہے تو پھر وہ صلح پر تیار ہو گئے ہیں " شرائط پر ضروری بات چیت ہوئی اور معاہدہ  
 لکھنے کے لیے حضرت علیؑ کا تہ بنے۔

معاہدہ ایسے نازک حالات میں لکھا جا رہا تھا کہ بات بات پر کچھ اور پیدا ہونے لگا۔ حضورؐ نے پیرایہ آغا  
 کے طور پر " بسم اللہ الرحمن الرحیم " لکھنے کا حکم دیا۔ سہیل نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ الرحمن الرحیم کیا ہوتا ہے۔  
 ہمارے معمول کے مطابق " باسمک اللہ " لکھا جائے حضورؐ نے یہ مطالبہ بھی قبول کر لیا۔ پھر فرمایا :  
 لکھو " ذیل کا معاہدہ محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا " سہیل نے کہا کہ اگر میں یہ مانتا  
 کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ کے خلاف لڑتا ہی کیوں ؟ بس اپنا اور اپنے والد کا نام لکھو ایسے۔  
 حضرت علیؑ محمد رسول اللہ کے الفاظ لکھ چکے تھے اور فرط ادب میں اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کے الفاظ  
 مٹانا ان کو گوارا نہ ہوا۔ حضورؐ نے تحریر لے کر خود یہ لفظ کاٹ دیئے۔ اور ان کی جگہ " محمد بن عبد اللہ " لکھا گیا۔  
 سہیل کی ان زیادتیوں کو نبی پاکؐ کے رفقاء دیکھ دیکھ کر سوچ و تاب کھا رہے تھے مگر احترام رسالت  
 کی وجہ سے دم بخود تھے۔ اب ذیل کی شرائط لکھی جانے لگیں۔  
 — فریقین دس سال کے لیے جنگ بندی اور صلح رکھیں گے۔

— مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال زیارت کعبہ کے لیے آئیں اور صرف پیام کر وہ  
 نوازدوں کے ساتھ تین معذرم میں گزاریں۔

— قبائل عرب کو آزادی ہوگی کہ وہ فریقین معاہدہ میں سے جس کے ساتھ چاہیں، حلیفانہ تعلق قائم کریں  
 — قریش کے تجارتی قافلے حدود مدینہ سے گزریں تو ان کو امان حاصل ہوگی۔

— قریش کا کوئی آدمی اگر بلا اجازت مدینہ چلا جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان  
 کہ میں آجائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

اسی آخری شرط نے جذبات میں سخت ہل چل پیدا کر دی۔ پورا ذہنی ماحول سامنے لایسے تو اندازہ ہو سکتا

ہے کہ جماعت میں ایسے جذبات کا پیدا ہو جانا فطری تھا۔ اول تو سرے سے یہی صورت واقعہ کچھ کم نادر نہ تھی کہ وہ قریشی جنہوں نے لوگوں کو گھروں سے نکالا، جنہوں نے اسلام کے علمبرداروں پر جنگ مسلط کر دی، جو آج بھی ان کو حرم سے روک رہے تھے اور قریشیوں کو ٹوٹا رہے تھے۔ ایسے ظالم اور بربر جنگ مشرکین کے ساتھ یکایک مصالحت کی راہ نکالنا جماعت کے لیے بڑا کاوش طلب واقعہ تھا۔ ان کے سامنے تو ایک ہی کلیہ تھا بیننا و بینکم العداوة والبغضاء ابدًا حتیٰ تو منوا باللہ و حدۃ نقاۃ تو ایک ہی موٹے اصول کو جانتے تھے کہ وقتلوہم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ! ان کے سامنے سیدھا سا فارمولا یہی تھا کہ کلمۃ اللہ کو برتر رہنا چاہیے اور کافروں کے کلمہ کا سر نیچا ہونا چاہیے۔ کفر و باطل کے درمیان سمجھوتہ کی گنجائش ان کے ذہنوں میں نہ تھی حقیقت یہ ہے کہ اصولوں کو اگر محض نظر ماتی اور فلسفیانہ طور پر لیا جائے تو بات دوسری ہوتی ہے، لیکن جب ان کو واقعات کے عملی میدان میں لے کے معرکہ آرا ہونا پڑے تو پھر وقت اور مصالح اور حریف اور حامی قوتوں کے حالات کو سامنے رکھ کر مختلف اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہوتا کہ آپ بس آنکھیں بند کر کے سیدھے ہی سیدھے ایک ہی رفتار سے بڑھتے جائیں کہیں رکن پڑتا ہے، کہیں دو قدم گھماؤ اختیار کرنا پڑتا ہے اور کہیں نیا راستہ نکالنے کے لیے دو قدم پیچھے ہٹنا پڑتا ہے مختلف دشمنوں کو شکست دینے ہی کے مقصد سے بسا اوقات ان میں سے کسی ایک سے عارضی مصالحت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ تاریخ کے یہ وسیع عملی حقائق حضور کی نگاہوں کے سامنے تو تھے ہی، لیکن جماعت کی نگاہ آپ کی نگاہ جتنی رسائی نہ رکھتی تھی۔ پھر جب اس جماعت کے سامنے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ اور رسول اللہ کے الفاظ فخر و کیے گئے تو جذبات میں خاصا مدوجزر پیدا ہو گیا۔ اس سے بھی بڑھ کر جب وہ غیر مساویانہ اور غیر عادلانہ شرط سامنے آئی تو صبر و ضبط بحال رکھنا مشکل ہو گیا۔ حضور اس معاہدے کے لیے جن بڑے بڑے مسائل کو حل کرنے کی راہ نکال رہے تھے ان پر جہاں قریش کی نظر نہ تھی، وہاں مسلم جماعت بھی پوری طرح ان کو سمجھ نہیں پاری تھی۔ کبھی کبھار بڑی بڑی تحریکیوں کے دوران کار میں ایسے نازک لمحات بھی آجاتے ہیں جبکہ قائد اور جماعت کے درمیان مستقبل کے معاملات کی سوچ بوجھ کے لحاظ سے ذہنی فاصلہ بڑھ جاتا ہے۔ تیاریوں کی نگاہ زیادہ خاصے تک دیکھتی ہے اور جماعت نسبتہ نزدیک حقیقتوں تک سوچتی ہے۔ یہی مواقع بحران کے



مواقع بن جاتے ہیں۔ اور انہی شاذ مواقع پر ضابطے کی حد سے بڑھی ہوئی جمہوریت خطرناک ہو جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر صرف وہی قیادت اپنا فرض ادا کر سکتی ہے جو اسے عام کا اعتماد و تعاون اس حد تک رکھتی ہو کہ اس کا کوئی بدل نہ پیدا کیا جاسکے۔ ایسی مخلص اور مستحکم قیادت جماعت کو اہم مصالح کی راہ پر مجبور اپنی اخلاقی قوت سے کھینچ کر لے جاتی ہے اور عقلی اطمینان جماعت کو بعد کے حالات و واقعات کو دیکھ لینے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ غضب یہ ہوا کہ عین اسی حالت میں نمائندہ قریشی سہیل کے صاحبزادے ابو جندل بٹیریاں پہننے ہوئے موقع پر آ پہنچے۔ ان کو مارا پٹیا لیا تھا اور وہ مظلومی کا ایک مجسمہ تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو شہرہ عالم اور مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ مجوزہ شرط کے مطابق یہی پہلا شخص ہے جسے آپ کو واپس کرنا ہوگا۔ حضور نے معاملہ سلجھانے کے لیے فرمایا کہ ابھی معاہدہ لکھا نہیں جا چکا، سو ابو جندل کو متشتی رہنے دو۔ سہیل نے کہا تو پھر کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ پھر آپ نے نرمی سے یہ بھی فرمایا کہ اچھا اسے میری خاطر میرے ساتھ آنے دو۔ نہیں مانا۔ مجبوراً حضور نے اس ظالمانہ مطالبے کو بڑے مصالح کی خاطر قبول کر لیا۔ اب ابو جندل نے جماعت کو مخاطب کر کے فریاد کیا کہ مسلمانو! تم مجھے مشرکوں کے حوالے کر رہے ہو جو مجھے ایمان سے ہٹانے کے لیے مجھ پر تشدد کریں گے۔ یہ اپیل اپنے ماحول میں بڑی اشتعال انگیز تھی۔ مگر حضور اس وقت ٹھنڈے مزاج کا ایک بے مثل نمونہ تھے۔ ابو جندل کو نرمی سے سمجھایا کہ ہم نے معاہدہ میں ایک بات تسلیم کر لی ہے تو اب ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے، تمہارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے اللہ تعالیٰ کو ٹی راہ و نجات نکالے گا، ذرا صبر سے کام لو۔

جماعت کا اضطراب اس وقت آخری حد کو چھو رہا تھا اور قریش کے خلاف ساری جماعت کے جذبات مجتمع ہو کر جس شخص کے اندر کھول رہے تھے وہ حضرت عمرؓ تھے۔ ان کا کوئی ذاتی اور نفسانی معاملہ نہیں تھا، ان کے اندر حمیت تھی ہی کام کر رہی تھی۔ پیچ و تاب کے عالم میں انہوں نے پہلے حضرت ابو بکرؓ سے اور پھر رسول اکرمؐ سے یوں مکالمات کی،

حضرت عمرؓ: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

رسول خدا! کیوں نہیں!

حضرت عمرؓ: پھر کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

رسولِ خدا: کیوں نہیں!

حضرت عمرؓ: اور کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟

رسولِ خدا: کیوں نہیں!

حضرت عمرؓ: پھر ہم دین کے معاملے میں دبا کر کیوں معاملہ کریں؟

رسولِ خدا: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں اس کے کسی حکم کو توڑ نہیں رہا اور نہ وہ مجھے

اپنی مدد سے محروم رکھے گا۔

حضرت عمرؓ چپ تو ہو گئے، لیکن جذبات میں دیر تک ٹھہراؤ نہیں آسکا۔ معاہدہ لکھا گیا اور اس پر

حضرت عمرؓ نے بطور گواہ دستخط ثبت کر کے اطاعت کی یہ زریں مثال بھی پیش کر دی کہ شرائط پر دل مطمئن نہیں

مگر حضورؐ نے فیصلہ کر دیا تو پھر سرکشی بھی نہیں۔

معاہدہ ہو چکا تو حضورؐ نے جماعت کو نحر (اونٹ ذبح کرنے) اور حلق (سر موٹانے) کا حکم دیا۔ مگر

اضطراب اور غم و اندوہ کی وجہ سے جماعت میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ دو بارہ حکم دیا تو بھی کوئی نتیجہ

نہیں۔ سہ بارہ فرمایا تو بھی وہی حالت طاری رہی۔ اندازہ کیجیے کہ خود حضورؐ کی تربیت یافتہ جماعت میں

اس وقت کیسا ذہنی سُجران طاری تھا۔ اور سبق لیجیے کہ انسانی سرگرمیوں میں کیسے گونا گوں عالم پیش آتے

ہیں۔ حضورؐ کو یہ رنگ دیکھ کر صدمہ ہوا، قیام گاہ پر آئے اور حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی کہ لوگوں کو

کیا ہو گیا ہے کہ میں نے حکم دیا اور تعمیل نہیں ہوئی۔ حضرت ام سلمہؓ نے نقلی دلائل کے معاہدہ کی شرائط سے وہ

اندوگن ہیں، آپؐ بلا ہنر نکل کر خود نحر و حلق کیجیے۔ سرورِ عالم اٹھے اور باہر آ کر قربانی کو اور بال اتروائے۔

اس عملی اقدام نے جماعت کو جاوہ طاعت پر بحال کر دیا۔ لیکن پھر بھی عالم یہ تھا کہ جیسے لوگ ایک دوسرے ہی

کو کچا چبا جائیں گے۔ تاہم یہ ردِ وقتی ردِ تھمی اور گزر گئی۔

اندازہ کیجیے کہ جنگ سے ہٹ کر مصالحت کی فضا حاصل کرنے کے لیے حضورؐ نے کتنی کٹھن صورت

حالات سے گزرنا گوارا کیا۔ بلکہ اپنی محبوب جماعت کے نہایت ہی گہرے اور پاکیزہ اور مخلصانہ جذبات

نیک کی قربانی اس مقصد کے لیے دی۔

آپ نے اس معاہدہ کے ذریعے عظیم مقاصد حاصل فرمائے۔ ایک یہ کہ مسلم جماعت اور مشرکین مکہ و عرب کے درمیان ہر طرح کے میل جول کے راستے کھل گئے۔ لوگوں کی آمد و رفت ہوئی، برسوں کے پھڑے ہوئے عزیز و اقارب اکٹھے ہو کر بیٹھے، مکہ میں جو غلط فہمیاں حضور اور مسلم جماعت کے بارے میں ہو چکی وہ مشرکین کی طرف سے سامنے آنے لگیں اور مسلمان ان کو صاف کرتے، لوگوں کے سوالات کے جوابات دیتے، انہیں اپنی روحانی، ذہنی، علمی اور اخلاقی اور مادی ترقیوں کا حال بتاتے، دعوتِ حق اور نظریہ اسلامی گھر گھر میں زیر بحث آنے لگا۔ اور امن کے حالات میں اسلام اس تیزی سے پھیلا کہ صلح حدیبیہ کے بعد کے دو برس میں اتنی تعداد خوشی خوشی حق کے محاذ پر آٹھری ہوئی جتنی اس سے قبل کے اٹھارہ انیس برسوں میں مجموعی طور پر حاصل ہوئی تھی جتنی کہ خالد اور عمرو بن العاص جیسے کام کے نوجوان بھی اسی مصالحت کے بعد حلقہ اسلامی میں آ داخل ہوئے۔

دوسرا مقصود یہ حاصل ہوا کہ جنگ و جدال سے نجات پا کر جماعت کی ذہنی و اخلاقی اصلاح اور خود ریاست کے قلم و نستق کی تعمیر کا کام انجام دینے کے لیے یکسوئی حاصل ہو گئی۔ علاوہ ازیں غیر ملکی حکومتوں کو دعوت دینے کا موقع نکل آیا۔

تیسرا فائدہ یہ پہنچا کہ حکومتِ مدینہ خیبر کے معاندانہ محاذ کا قلع قمع کرنے کے لیے قریش کی طرف سے بالکل بے فکر ہو گئی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد خود اسی اسلامی حکومت اس قضیے سے خارج ہو گئی۔

چوتھا مفاد یہ حاصل ہوا کہ عرب کے قبائل کو آزادی حاصل ہو گئی کہ ان میں سے جو بھی چاہے، حکومتِ مدینہ کا ساتھ دے۔ یہ ایسا دروازہ کھلا کہ جس میں سے گزر کر نئے نئے عناصر مسلم جماعت کو تعاون بہم پہنچا سکتے تھے اور قریش کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ بنو خزاعہ نے تو عین موقع ہی پر اسلامی حکومت سے تعلق جمڑ لیا۔

اور چوتھا نتیجہ یہ بھی نکلنا ہی تھا کہ ایک ہی سال بعد بڑے ٹھاٹھ سے یہی جماعت زیارتِ حرم کے لیے مکہ میں داخل ہوئی اور اس وقت قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق "لا تخافون" کی فضا میں تھی۔

سو کہنا چاہیے کہ قریش جیسے کڑے دشمنوں کو مصالحت پر لے آنا حضور اکرم کی سیاستِ کاری کا ایک

نمایاں معجزہ تھا اور ایک شرط میں بظاہر ذرا سادہ کر حضور نے وہ فوائد اور نتائج حاصل کر لیے جن کا تصور بھی قریش اس وقت نہ کر سکے ہونگے۔ انہیں کب یہ خیال آسکا ہوگا کہ اب ایک طرف ان کے حامی یہودیوں کا جنگی اڈا اکھڑ جانے والا ہے اور وہ اکیلے رہ جائیں گے اور دوسری طرف اسلام لوگوں کو اتنی بڑی تعداد میں کھینچ لے جائے گا بلکہ خود ان کے شہر میں اتنے اثرات پھیلا دے گا کہ ان کی طاقت موجودہ معیار سے بھی گر جائے گی۔ وہ حقیقت اس معاہدہ نے وہ راستہ بنا دیا جس پر چل کر اسلامی انقلاب کی طاقت چند برس کے اندر اندر اسی مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے والی تھی۔

والسپی پر راستے ہی میں سورہ فتح کی آیات نازل ہوئیں جس میں پچھلے واقعات پر تبصرہ تھا اور مستقبل کے مصالح کی جھلک دکھا کر مسلم جماعت کو اللہ تعالیٰ نے بشارتیں دیں۔ ان کو بتایا کہ تم عنقریب ایک ایسے معرکے (یعنی خیبر) میں فتح حاصل کرو گے جس میں تم کو بہت سا مال غنیمت ملے گا اور اس کے بعد وہ کچھ حاصل ہوگا جو اس وقت تمہاری طاقت سے باہر ہے اور جس کو اللہ ہی نے گرفت میں لے کر محفوظ کر رکھا ہے پھر بتایا کہ اگرچہ مشرکین مکہ کو تم آج بھی شکست دے سکتے تھے اور وہ یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوتے لیکن ان کے درمیان ایسے مرد وزن گھرے ہوئے ہیں جو مخفی طور پر دین حق کو مان چکے ہیں اور جن کے دل تمہارے ساتھ ہیں۔ اب اگر جنگ ہو جاتی تو وہ مجبوراً تمہارے مقابلے پر آتے اور تم انہیں نہ جاننے کی وجہ سے نشانہ بنتے پس اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی ہوئی کہ اس نے دونوں گروہوں کو ٹکڑوں سے روکا۔ خصوصاً وہ لمحہ یاد دلایا جبکہ کفر کی جانب سے حمیت جا بلیبہ کا بڑا کٹر مظاہرہ کیا گیا تھا اور الرحمن الرحیم اور رسول اللہ کے الفاظ تک کی کتابت گوارا نہ کی گئی۔ نیز ابو جندل کے معاملہ میں انتہائی ضد سے کام لیا گیا۔ ایک فریق جب اس طرح کا طیر ہار دیا وہ انتہیاً کہہ سکتا ہے تو پھر دوسری طرف بھی نرم اور ٹھنڈے جذبات برسر کار نہیں آسکتے۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ رسول اور تم مسلمانوں کے اوپر اس نے سکینت اتاری، تمہیں جذبوں پر قابو دیا اور تمہیں تقویٰ اور احتیاط کے اصول پر کار بند رکھا۔ اور تم لوگ مشرکین کے مقابلے میں اسی شان کے مستحق اور اسی کے اہل تھے ورنہ اگر ادھر سے بھی اشتعال سے کام لیا جاتا تو تصادم ہو جاتا اور وہ سارے مصالح ختم ہو جاتے جو نہایت آسانی سے حاصل ہو رہے تھے۔

سورہ فتح کا آغاز اس کلمے سے ہوتا ہے کہ "انا فتحناک فتحاً مبیناً" حضرت عمرؓ نے حیرت سے پوچھا کہ کیا واقعی فتح مبین ہے حضورؐ نے فرمایا: ہاں یہ فتح مبین ہے۔ گویا واقعت کی روشنی میں عقلی الطینان خاصی دیر بعد پیدا ہوا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حمیتِ حق کے مخلصانہ جذبے میں جو جذباتی مظاہرہ کیا تھا اس کی تلافی کے لیے وہ مدتوں لفظی عبادات انجام دے دے کہ خدا سے عفو طلبی کرتے رہے۔ اخلاص کی شان یہی ہے دوسری طرف حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان یہ تھی کہ اس عمومی لمحہ اضطراب میں ان کو پورا پورا الطینان رہا اور انسانی جماعتوں کو فراہم کی یہی رنگارنگی ایک خاص ترکیب دیتی ہے۔ ان کا ایک سرا اگر صدیقی رحمان سے بنتا ہے تو دوسرا سرا فاروقی انداز سے!

اب سنیے کہ کیسے معاہدہ کی وہی دفعہ قریش کے لیے وبال جان بن گئی جسے تسلیم کر کے وہ اپنا پڑا بھگنا محسوس کر رہے تھے۔ اول تو اس کی وجہ سے مکہ میں خفیہ طور پر اسلام قبول کرنے والوں کا حلقہ اندہ ہی اندر بڑھتا رہا اور ان کی وجہ سے قریش کی اجتماعیت کھوکھلی ہوتی گئی۔ دوسری طرف ایک بہت ہی سنگین واقعہ پیش آیا۔ ابولبیب عقیبہ بن اسید کسی نہ کسی طرح مکہ سے نکلے اور مدینہ جا پہنچے۔ ان کو لینے کے لیے قریش نے دو آدمیوں کا وفد بھیجا۔ حضورؐ پابندی عہد کے اٹل اصولوں سے عبور تھے، سو ابولبیب کو ٹوٹا دیا گیا۔ آپ نے ابولبیب کو بھی وہی تاکید کی کہ تم لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کو ٹی راستہ نکالے گا۔ چاروں جاچار ابولبیب لوٹ گئے۔ راستے میں موقع پا کر انہوں نے دو میں سے ایک نگران کو اسی کی تلوار سے قتل کر دیا اور خود بھاگ کر پھر مدینہ آ گئے۔ دوسرا نگران پھر شکایت لے کے آ موجود ہوا۔ ابولبیب نے حضورؐ کے سامنے وضاحت کر دی کہ آپ نے اپنا عہد نبجایا اور مجھے دشمنوں کے سپرد کر دیا، لیکن میں اپنے آپ کو مشرکوں کے سپرد کر کے ایمان کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ سو میں نے اپنی ذمہ داری پر یہ اتمام کیا ہے، آپ پر کوئی ذمہ داری ہے ہی نہیں۔ خدا نے مجھے بچا لیا۔ حضورؐ نے بڑے پر معنی طریق سے فرمایا: "اسے کچھ آدمی مل جائیں تو یہ تو جنگ بھر کا دیگا"۔ ابولبیب کو اندیشہ ہوا کہ شاید مجھے پھر مکہ روانہ کر دیا جائے اس لیے وہ چپکے سے مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر کی طرف مقام عیص (قریب بنو المرحہ) جا پہنچے اور وہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ بعد میں ابوجندل بھی وہیں آ گئے۔ پھر مکہ سے اور لوگ بھی نکلتے اور سیدھے ساحل کا رخ کرتے۔ ہوتے ہوتے ستر جالوں کا دستہ یہاں جمع ہو گیا۔ مکہ والوں سے

ان کی اصولی کشمکش بھی تھی اور ذاتی مظلومی کا جذبہ انتقام بھی تھا اور یہ حکومتِ مدینہ کے شہری بھی نہ تھے کہ ان پر معاہدہ کی ذمہ داری ہوتی۔ یہ گویا ایک "آزاد اسلامی محاذ" تھا۔ ان لوگوں نے قریش کے قافلوں کی فراحت شروع کی، یہاں تک کہ قریش عاجز آگئے۔ سوا انہوں نے خود ہی درخواست کر کے معاہدہ سے اپنی محبوب شرط نکلوائی۔ بعد ازیں ان نوجوانوں کو حضور نے مدینہ بلا لیا اور نو مسلموں کے لیے مکہ سے ہجرت کرنے کا راستہ بانٹ لیا۔

ایک اہم مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب ام کلثوم جو مکی سردار عقبہ ابن ابی معیط کی صاحبزادی تھیں، ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ ان کو واپس لے جانے کے لیے ان کے دو بھائی عمارہ اور وید ساتھ ہی ساتھ آگئے۔ معاملہ حضور کے سامنے آیا تو حکم الہی آپ نے ام کلثوم کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ ظاہر بات ہے کہ ایک اصولی مسلک کی خواتین کو دشمن یا مخالف کے سپرد کرنے کا معاملہ مردوں سے بالکل مختلف نوعیت رکھتا ہے۔ اس انکار میں ایک ایسا اخلاقی وزن موجود تھا اور معاہدہ کے الفاظ بھی ایسے عمومی سے تھے کہ عورتوں کے مسئلہ میں تعبیری اختلاف کی گنجائش نکلتی تھی، اس لیے جب دونوں بھائی واپس پہنچے تو قریش نے اس صورت کو قبول کر لیا حضور نے سورہ ممتحنہ کے احکام کے تحت اسی انکار کے ساتھ چونکہ چند اور فیصلے کیے تھے کہ ایک تو مسلمان اپنی ان ساتیوں کا فرہ بیویوں کو طلاق دے دیں جو مکہ میں تھیں اور دونوں طرف سے ہر ادا کیے جائیں، اس لیے بحیثیت مجموعی یہ معاملہ قریش کو بھی اچھا معلوم ہوا۔

یہ تھا وہ تاریخی معاہدہ جو اپنے نتائج کے اعتبار سے بجائے خود فتحِ عظیم کی حیثیت رکھتا تھا اور جس تک قریش کو لانے اور اس سلسلے کے جملہ پرپیچ مراحل کو طے کرنے میں حضور نے ایسی سیاسی حکمت اور فائدہ انداز بصیرت کا مظاہرہ کیا جس سے بعد والوں کو تاقیامت و رہنمائی ملتی رہے گی۔ یہ مصالحت حضور کی سیاست کاری کا ایک بے مثل شاہکار ہے۔

حجرت القضا | معاہدہ میں طے تھا کہ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں اور اگلے سال آکر زیارت کریں چنانچہ دوسرے سال ۶۲۸ء میں حضور نے رفقہ سمیت مکہ کا رخ کیا۔ یہ سفر بھی اگر مرتبہ اول میں دینی تھا تو مرتبہ دوم میں سیاسی۔ اس سے گہرے اثرات فضا میں مترتب ہوئے اور اس کی وجہ سے اسلام کا نفوذ نہ صرف مکہ میں بڑھ گیا بلکہ سارے عرب میں بھی مسلمانوں کا حرم میں آزمانہ داخلہ نہایت اچھے ذہنی اثرات

کا موجب ہوا۔

دو ہزار افراد، سو گھوڑوں اور قربانی کے ساتھ (یاستی) اونٹوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسلحہ کا ذخیرہ بند حالت میں ساتھ لیا گیا مگر آگے جا کر مقام یا حج میں رکھ دیا گیا۔ بروئے معاہدہ قریش کو تین دن کے لیے مسلمانوں کے لیے حرم بالکل کھول دینا پڑا۔ بعض کفر مخالفین تو شہر چھوڑ کے دورِ حیلِ معیتقان وغیرہ کی طرف چلے گئے تاکہ اس منظر کو دیکھنے نہ پائیں۔ لیکن عام باشندے، عورتیں اور بچے دارالمنذوبہ کے پاس صف باندھے کھڑے تھے اور اس انقلابی طاقت کا نظارہ کر رہے تھے جس نے مکہ ہی کی فضاؤں میں ابتدائی نشوونما پائی تھی۔

واحد اس شان سے ہوا کہ عبداللہ بن رواحہ حضور کی سواری کی باگ تھامے ہوئے آگے آگے ایک رجز یہ گیت الاپ رہتے۔ چند بول یہ تھے:

باسم الذی لادین الادیبۃ	اس ہستی کا نام لیکر ہم داخل ہوتے ہیں جس کے دین کے علاوہ کوئی دین نہیں
باسم الذی محمد رسولہ	اس ہستی کا نام لیکر ہم داخل ہوتے ہیں، محمد جس کے رسول ہیں۔
خلوا، بینی الکفار عن سبیلہ	اے کفار کی اولاد، اس کے راستے سے ہٹ جاؤ۔
قد نزل الرحمن فی تنزیلہ	الرحمن نے اپنی نازل کردہ کتاب میں یہ تعلیم دی ہے:
بان خیر القتل فی سبیلہ	کہ بہترین جنگ وہ ہے جو خود اسی کی راہ میں لڑی جائے۔
یارب انی مومن بقتیلہ	اے میرے پروردگار! میں تیرے نبی کے قول پر ایمان رکھتا ہوں۔

گیت ہی گیت میں پوری دعوتِ حق بیان ہو رہی تھی جس کی گونج سے مکہ کی فضا میں برسوں سے خالی ہو چکی تھیں۔ اس میں جہاد تک کا رجز شامل تھا۔ اس میں رحمن کے اسی پیارے نام کی پکار ہو رہی تھی جس سے قریش کو بچر تھی۔ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہو رہا تھا۔ اسلام دشمن طاقت کو پر معنی انداز سے کہا جا رہا تھا کہ اس رسول کے راستے سے ہٹ جاؤ اور فراموش چھوڑ دو۔ آج کوئی نہ تھا جو مکہ میں رکاوٹ ڈال سکے۔ معاہدے نے ہاتھوں اور زبانوں کو باندھ رکھا تھا۔

حضور نے داخلہ کے وقت جماعت کو حکم دیا کہ خوب موڑے کھول کر اور سینہ تان کر جلوہ او بھیل بھیل کر

طواف کرو تا کہ اس پر وہ گنبدہ کی تردید ہو جائے کہ ہاجرین کی حالت بھوک اور بھار نے پہلی کمرہ کی ہے۔ اس وقت دشمنوں کو مرعوب کرنا ضروری تھا۔ حضور نے کیا خوب فرمایا کہ "خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جو آج کفار کے سامنے قوت کا اظہار کرے" اسی مصلحت سے آپ اسلام رکنِ بیانی سے اسلام رکنِ ہمد تک نرم چال ڈنشی، چلتے اور اس حصے میں دیکھنے والا مجمع اور حجل ہو جاتا، پھر بعد کے دور میں ملکی ڈور پر قیل و لگاتے اور یہی حصہ مجمع کے سامنے تھا۔ معلوم ہوا کہ مخالف حلقوں میں علمبردارانِ اسلام کی کمزوری خواہ وہ عیسائی ہو، کسے چرچوں کو روکنا اور ان پر قوت و شوکت کے مظاہرہ سے رعب ڈالنا اسلامی سیاست کی ایک اہم حکمت ہے۔ یہ اتنی اہم حکمت ہے کہ عین حرم میں اور عین دورانِ طواف میں بھی اس کو ملحوظ رکھا گیا۔ یہ مظاہرہ قوت کبر و غرور کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ یہ عین کارِ ثواب ہے۔ ایسے موقع پر اگر فروتنی اور انکسار دکھایا جائے تو وہ بالکل اٹنا پڑے۔ ان چھوٹے چھوٹے امور سے شہادت ملتی ہے کہ حضور وقت و وقت کے سیاسی تقاضوں پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے اور ان کو پورا کرنے کا کتنا اہتمام کرتے تھے۔ آخر یہ سیاست ذاتی جاہ کے لیے نہ تھی، خدائی نظامِ عدل کی سر بلندی کے لیے تھی، اس لیے ملیرس دین تھی اور اس کا ہر اقدام ایک عبادت تھا۔

غور کیجیے کہ نظامِ حق کے داعیوں کی اس جماعت کو جب تک کا مجمع دیکھ رہا ہو گا تو مردوں اور عورتوں اور بچوں پر کیسے کیسے اثرات پڑ رہے ہونگے۔ خیال آتے ہونگے کہ یہ اسی دین کی فصل ہے جس نے مکہ سے آغاز کیا تھا۔ اور پھر غارِ حرا، خانہ ارقم، شعب ابی طالب، دارالندوہ اور غارِ ثور کے تاریخی مقامات ان کے سامنے سراٹھا اٹھا کر کہتے ہونگے کہ دیکھو نیکی کی یہ طاقت کتنی عظیم ہے اور تم اس کے مقابلے میں کتنے فروتر ہو کے رہ گئے ہو۔ مکہ کی گلیوں کے ذرے تڑپ اٹھے ہونگے اور زبانِ حال سے ان لوگوں سے کہہ رہے ہونگے کہ یہ وہ صبر کشی لوگ ہیں جن کو تم نے بغیر کسی جرم کے کئی سال تک دکھ دیئے تھے، دیکھو کہ آج وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ کتنے ہی کانٹوں نے سراٹھا کر کہا ہو گا کہ تم نے ہماری نوکوں سے ان جسموں کو اذیت دی تھی۔ پھر کہیں سے حضرت ابو ذر کی کلمہ کی وہ پہلی بچار کعبہ سے گونجنے لگی ہوگی جس پر ہنگامہ مچ گیا تھا، کہیں سے حضرت بلالؓ کی احدا حد کی صدائیں بلند ہونے لگی ہوگی جو تپتی ریت کے بستر پر پڑ کر دل سے اٹھتی تھیں۔



چینیٹے لگا ہو گا کہ تم لوگوں نے جس کے قتل کی سازشیں کی تھیں اس کا پیغام گوشے گوشے میں تبدیلی لا رہا ہے۔ تیرہ برس کی تاریخ ہر چہار جانب سے اٹڈپری ہوگی اور پھر بدرا اور احد میں کام آنے والوں کی یادیں خونیں پیر میں سجانے نمودار ہوتی ہوگی۔ اور ان کی روحوں سے صدا اٹھی ہوگی کہ تم بھی جاگو تم بھی بدلو تم بھی آگے بڑھو اور اس سیلِ رواں میں شامل ہو جاؤ۔

ایک طرف اس جماعت کے طرزِ عبادت کا مظاہرہ ہوا ہو گا اور دوسری طرف یہ اخلاقی مثال قائم ہوئی ہوگی کہ اتنی بڑی تعداد شہر مکہ میں تین دن تک موجود رہی، لیکن باوجود سخت عناد کے کسی کے جان مال کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ پھر جس طرح مقفل کردہ مشرکین باہر نکل گئے تھے اسی طرح صحیح سلامت رہے۔

اسلام کے حامی عناصر جو مکہ میں ایمان چھپائے بیٹھے تھے ان کی آنکھیں اس نظارے سے کیسی ٹھنڈی ہوئی ہوگی، ان کے جذبوں کو ایک نئی طاقت ملی ہوگی، ان کے اندر تازہ امیدیں ابھر آئی ہوگی۔ مخالفین اپنے آپ کو کتنا پستنا ہوا محسوس کر رہے ہونگے۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے کتنا تاریک مستقبل ہوگا۔

تین دن تک شہر کی فضائوں میں یہ گھٹا موتی برساتی رہی۔ چوتھے روز سہیل بن عمرو اور حوطلیب بن عبدالمعزیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جبکہ آپ انصار کے درمیان بیٹھے بات چیت کر رہے تھے۔ سہیل نے کہا کہ تین دن پورے ہو چکے، اب میری زمین سے نکل جاؤ۔ سعد بن عبادہ اس طرزِ خطاب پر ضبط نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا: "زمین نہ تیری ہے نہ تیرے باپ کی، ہم برگزیدہ نکلیں گے۔" حضور نے فوراً ہی فضا کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ذرا لطیف انداز گفتگو اختیار فرمایا اور حضور نے حضرت میمونہ سے اسی موقع پر نکاح کیا تھا، دیکھو، ہم نے یہاں سے نکاح کیا ہے، کیا سیرج ہے کہ ذرا کھانا دانا پک جائے،

ہم بھی کھائیں اور آپ لوگ بھی شریک ہوں۔ اس فقرے میں کئی پہلو تھے، مگر ان کی کثافت مزاج میں فرق نہ آیا۔ کہا گیا کہ ہمیں کھانے پینے کی ضرورت نہیں، بس آپ چلے جائیے۔ وہ بچارے بھی کیا کرتے، دیکھئے۔

تھے کہ ساری قضا متاثر ہو رہی ہے۔ ان کے اصرار کی وجہ سے حضور نے جماعت کو کوچ کا حکم دیا چلتے وقت حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی چھوٹی سنی بچی یا عم یا عم! پکارتی دھڑی دھڑی آئی اور آپ سے پٹ گئی۔

کیا ہی زلفت انگیز سماں ہو گا۔ حضور نے اس بچی کو ساتھ لے لیا۔ بعد میں یہ بچی اپنی خالہ کے سپرد کی گئی جو زید بن حاشم

کی اہلیہ تھیں۔

اب یاد کیجیے اس واقعہ کو کہ حدیبیہ سے واپسی میں حضور پر اعتراض ہوا تھا کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ ہم حرم میں داخل ہونگے اور طواف کریں گے، سوال کا مدعا یہ تھا کہ ایسا ہوتا تو نہیں؟ حضور نے جواب دیا: میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال؟ — اور اگر واقعی مسئلہ میں وہ بات پوری بھی ہوتی تو اس شان سے نہ ہوتی بلکہ خون خرابے کے ساتھ ہوتی۔ ایک سال کا فاصلہ نہ کر کیوں کی تاریخ میں ایک لمحہ کی سی نوعیت رکھتا ہے۔ فرا سے وقفے کے بعد بے غوفی کی حالت میں اور پوری آن بان سے حرم میں داخلہ اور عمرہ کا ہونا بے حد برکات رکھتا تھا۔

پھر جب اس واقعہ کا قبائل عرب میں چرچا ہوا ہو گا تو رائے عام اس تبدیلی احوال سے بہر حال متاثر ہوتی ہوگی۔ لوگ محسوس کرتے ہونگے کہ جس مکہ سے مسلمانوں کو نکالا گیا تھا اس میں وہ سینہ تانے اور مزید کھولے داخل ہوئے، جو قریش مسلم جماعت کو مٹا دینے کے درپے تھے انہوں نے اسی سے مصالحت کر کے اپنے آپ کو بے بس کر لیا۔ اس سے یہ اندازہ لازماً باندھے گئے ہونگے کہ مستقبل مدینہ کا ہے؛ ظاہر بات ہے کہ دلوں کے دروازے اسلام کے لیے اور زیادہ کھل گئے ہونگے۔  
مختصر یہ کہ حجۃ القضا بھی اسلام کے فروغ میں بہت عمدہ ہوا۔